ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2962

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: فقہ المعاملات (2962) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: خیارِ رؤیت کے احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 1: خیارِ رؤیت کے احکام پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

خرید و فروخت میں بسا اوقات مشتری ایسی چیز خرید لیتا ہے جسے اس نے دیکھا ہی نہیں، مثلاً دور سے منگوائی گئی چیز، بند پیکٹ میں مبیع، یا نمونے اور وصف کی بنیاد پر طے شدہ سودا۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ چیز دیکھنے کے بعد اگر وہ توقع کے مطابق نہ ہو تو خریدار کے پاس کیا راستہ ہے۔ شریعت نے اس سوال کا جواب خیارِ رؤیت کی صورت میں دیا ہے، یعنی دیکھنے پر حاصل ہونے والا اختیار۔ یہ اختیار بیع کو ایسے غبن اور نقصان سے بچاتا ہے جو نادیدہ چیز کی خریداری میں عموماً پیدا ہوتے ہیں۔ اس جواب میں خیار کا عمومی مفہوم، خیارِ رؤیت کی تعریف و مشروعیت، اس کے ثبوت کی شرائط، اس کے ساقط ہونے کی صورتیں اور دیگر خیارات سے اس کا فرق بیان کیا جائے گا، اور آخر میں جدید آن لائن خریداری میں اس کے اطلاق کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ تطبیق کے عملی مسائل میں مستند اہلِ علم کی رہنمائی ہی معتبر ہے۔

خیار کا مفہوم اور خیارِ رؤیت کی تعریف

خیار کے لغوی معنی اختیار اور پسند کے ہیں، اور فقہی اصطلاح میں اس سے مراد وہ حق ہے جو عقد کے کسی فریق کو حاصل ہو کہ وہ چاہے تو سودے کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔ فقہاء نے خیارات کی کئی اقسام بیان کی ہیں جن میں خیارِ شرط، خیارِ عیب، خیارِ رؤیت، خیارِ تعین اور خیارِ وصف مشہور ہیں۔ خیارِ رؤیت یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی چیز دیکھے بغیر خریدی ہو، اسے چیز دیکھنے کے بعد یہ اختیار حاصل ہو کہ چاہے تو بیع کو منظور کر لے اور چاہے تو رد کر دے، اگرچہ چیز وصف کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ یہ خیار جمہور کے نزدیک خریدار کے لیے ثابت ہے، بائع کے لیے نہیں، کیونکہ چیز عام طور پر بائع کے پاس اور اس کے علم میں ہوتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مبیع غائب کی بیع کی بحث کچھ مختلف اصولوں پر ہے اور وہاں وصف کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اختیار کی صورتیں بیان ہوتی ہیں، جبکہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں خیارِ رؤیت کا اصول معروف و معمول بہ ہے۔ فقہی کتب میں اس باب میں اس مفہوم کی روایت بھی ذکر کی جاتی ہے کہ جس نے کوئی چیز دیکھے بغیر خریدی تو اسے دیکھنے پر اختیار حاصل ہے؛ اسی طرح صحابہ کے آثار اور یہ اصول کہ نادیدہ چیز میں جہالت پائی جاتی ہے جسے دیکھنا دور کرتا ہے، اس خیار کی بنیاد بنتے ہیں۔

خیارِ رؤیت کے ثبوت کی شرائط

اس خیار کے ثابت ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ خریدار نے مبیع کو عقد سے پہلے نہ دیکھا ہو؛ اگر اس نے وہی چیز پہلے اسی حالت میں دیکھ رکھی تھی اور اس دوران اس میں تغیر واقع نہیں ہوا تو خیار حاصل نہیں ہوگا کیونکہ دیکھنے کا مقصد حاصل ہو چکا۔ البتہ اگر چیز میں اتنا تغیر آ چکا ہو کہ وہ سابقہ دیکھنے سے مختلف ہو جائے تو حکم بدل جاتا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع معین یعنی متعین چیز ہو؛ جس میں مبیع کلی موصوف فی الذمہ ہو، مثلاً سلم، اس میں خیارِ رؤیت کے بجائے وصف کی مطابقت کا اصول چلتا ہے۔ تیسری بات دیکھنے کی کیفیت ہے: دیکھنا اس چیز کے مقصود کے مطابق ہو؛ کپڑے کو کھول کر دیکھنا، مکان کے اندر داخل ہو کر دیکھنا، اور جس چیز کا مقصد چکھنا یا سونگھنا ہو اس میں اسی کے مطابق جانچ۔ نمونے کا دیکھنا بھی اس صورت میں کل کا دیکھنا شمار ہوتا ہے جب باقی مال نمونے کے موافق ہو۔ وکیل کے دیکھنے کا حکم موکل کے دیکھنے جیسا ہے، کیونکہ وکیل اسی کی نمائندگی میں خریدتا ہے۔ خریدار نے دیکھنے سے پہلے اگر چیز کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا تو اس کا خیار ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ اختیار کا فائدہ یہی تھا کہ فیصلہ دیکھنے کے بعد ہو۔

خیار کب تک رہتا ہے اور کس طرح ساقط ہوتا ہے

خیارِ رؤیت کا وقت وہ لمحہ ہے جب خریدار مبیع کو دیکھ لے؛ اس دیکھنے کے بعد اسے بلا تاخیر، مجلس کے عرف کے مطابق، رد یا قبول کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ فقہاء نے اس میں یہ تفصیل بھی بیان کی ہے کہ محض تھوڑی دیر کا سکوت خیار کو ختم نہیں کرتا جب تک رضا کی دلیل نہ پائی جائے، لیکن دیکھنے کے بعد طویل خاموشی اور تصرفات کو رضا پر محمول کیا جاتا ہے۔ خیار ساقط ہونے کی نمایاں صورتیں یہ ہیں: صریح الفاظ میں قبول کا اظہار؛ دلالی تصرف، یعنی خریدی ہوئی چیز کو آگے بیچ دینا، گروی رکھ دینا یا اس میں ایسا استعمال کرنا جو مالک ہونے کی دلیل ہو؛ خریدار کی ملکیت میں چیز کا ہلاک ہو جانا یا اس میں خریدار کے فعل سے عیب پیدا ہو جانا، جس کے بعد واپسی ممکن نہ رہے؛ اور خریدار کا فوت ہو جانا، کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ خیار شخصی نوعیت کا ہے اور ورثاء کو منتقل نہیں ہوتا، اگرچہ بعض اقوال میں اس کے برعکس بھی منقول ہے۔ واضح رہے کہ اگر چیز وصف کے خلاف نکلے تو خریدار کو بہرحال رد کا حق حاصل رہتا ہے، کیونکہ وہ خیارِ رؤیت سے الگ وصف کی شرط کا تقاضا ہے۔

جدول 1: اہم خیارات کا باہمی فرق

خیار	سبب	مدت / وقت
خیارِ رؤیت	مبیع کو نہ دیکھا ہو	دیکھنے کے وقت فیصلہ
خیارِ شرط	عقد میں طے شدہ شرط	طے شدہ مدت تک
خیارِ عیب	مبیع میں پرانا عیب ظاہر ہو	عیب معلوم ہونے پر، معقول مدت میں
خیارِ وصف	مبیع میں مشروط وصف نہ پایا جائے	وصف کی خلاف ورزی ثابت ہونے پر

جدید خریداری میں اس اصول کا اطلاق

آج کی تجارت میں خیارِ رؤیت کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ آن لائن خریداری میں گاہک چیز کو تصویر اور تفصیل کی بنیاد پر خریدتا ہے، حقیقی دیکھنا ڈیلیوری کے بعد ہوتا ہے، اس لیے بین الاقوامی صارف قوانین اور اکثر آن لائن بازاروں کی واپسی کی پالیسیاں اسی انسانی اصول کی عملی شکل ہیں کہ گاہک کو دیکھنے کے بعد فیصلے کا موقع ملے۔ اسلامی بینکاری اور تجارت میں بھی موصوف اشیاء کی خرید میں یہ اصول جانچ کا معیار فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح کھیپ کی صورت میں نمونے کی منظوری اور معائنہ رپورٹ کا نظام اسی فقہی تصور سے جڑا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ کہ خیارِ رؤیت صرف ایک فقہی جزئیہ نہیں بلکہ منڈی میں اعتماد پیدا کرنے والا اصول ہے: بائع کو چیز کی درست نمائندگی کی ترغیب ملتی ہے اور مشتری کو اطمینان، جس سے تنازعات کم ہوتے ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ خیارِ رؤیت نادیدہ چیز کے خریدار کو دیکھنے پر قبول یا رد کا اختیار دیتا ہے۔ اس کی شرائط میں عقد سے پہلے نہ دیکھنا اور مبیع کا متعین ہونا شامل ہے، اور یہ اختیار قبول کے اظہار، مالکانہ تصرف یا چیز کے ہلاک ہونے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ دوسرے خیارات سے اس کا فرق یہ ہے کہ اس کی وجہ نہ عیب ہے نہ شرط، بلکہ محض نادیدگی ہے، یہاں

تک کہ چیز بالکل درست نکلے تب بھی دیکھنے کا فیصلہ خریدار کا حق ہے۔ یہی لطیف اصول فقہ اسلامی کے اس مزاج کی مثال ہے جس میں رضامندی کو حقیقی اور معلوماتی بنیاد پر قائم رکھا جاتا ہے۔

سوال نمبر 2: شرکتِ عنان اور اس کے احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 2: شرکت عنان اور اس کے احکام تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

تجارت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد کے پاس سرمایہ کم ہے، دوسرے کے پاس تجربہ، اور تیسرے کے پاس وقت؛ شرکت ان سب کو ایک نظام میں جوڑ دیتی ہے۔ اسلام نے شرکت کو جائز اور پسندیدہ معاملات میں رکھا ہے اور اس کی مختلف صورتوں کے احکام فقہاء نے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان صورتوں میں شرکتِ عنان سب سے زیادہ رائج اور عملی صورت ہے، کیونکہ اس میں ہر شریک کی ذمہ داری اس کے سرمائے تک محدود ہوتی ہے اور شرائط لچک دار ہوتی ہیں۔ اس جواب میں شرکت کی عمومی تقسیم، عنان کی تعریف و وجہ تسمیہ، مشروعیت، اس کی شرائط اور اہم احکام بیان کیے جائیں گے اور آخر میں شرکتِ مفاوضہ سے اس کا فرق اور جدید تجارتی اداروں سے اس کا تعلق واضح کیا جائے گا۔

شرکت کی تقسیم اور عنان کی تعریف

فقہ میں شرکت کی دو بڑی قسمیں ہیں: شرکتِ ملک، جس میں دو یا زیادہ افراد کسی چیز کے مشترکہ مالک ہو جائیں، خواہ اختیار سے ہو یا وراثت جیسی غیر اختیاری صورت سے؛ اور شرکتِ عقد، جس میں فریقین معاہدے کے ذریعے کاروبار میں شریک ہوں۔ شرکتِ عقد کی مشہور اقسام چار ہیں: شرکتِ عنان، شرکتِ مفاوضہ، شرکتِ ابدان یا اعمال، جسے شرکتِ صنائع بھی کہتے ہیں، اور شرکتِ وجوہ، جس میں شرکاء اپنی ساکھ کی بنیاد پر ادھار مال خرید کر بیچتے ہیں۔ شرکتِ عنان وہ شرکت ہے جس میں دو یا زیادہ افراد مال لا کر

تجارت کریں اور ہر شریک دوسرے کے مال میں صرف وکالت کی حیثیت سے تصرف کرے، ضامن و کفیل ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ عنان عربی میں لگام کو کہتے ہیں؛ وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس طرح لگام سوار کے اختیار کو قابو میں رکھتی ہے اسی طرح اس شرکت میں ہر شریک کا تصرف دوسرے کی اجازت و اصول کے تابع محدود رہتا ہے، بعض نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں شرکاء کا برابر ظاہر ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک اپنے مال کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اس صورت میں سرمائے کی مقدار برابر ہونا شرط نہیں اور نفع کی تقسیم کا تناسب بھی معاہدے سے طے ہوتا ہے۔

مشروعیت اور ارکان

شرکت کی مشروعیت کتاب و سنت کے عمومی اصولوں اور مسلم معاشرے کے مسلسل تعامل سے ثابت ہے؛ تجارتی شراکت کا رواج عہدِ نبوی سے پہلے سے تھا اور اسلام نے اسے برقرار رکھ کر اس کے ظالمانہ پہلوؤں کی اصلاح کی۔ فقہاء نے شرکت کو وکالت اور امانت کے اصولوں پر قائم کیا ہے: ہر شریک دوسرے کے لیے وکیل بھی ہے اور اس کے مال میں امین بھی۔ شرکتِ عقد کے ارکان ایجاب و قبول ہیں، یعنی شرکاء کی باہمی رضامندی سے پیشکش و منظوری، اور اس کے انعقاد کی بنیادی شرائط یہ ہیں کہ معاملہ نفع کی شرکت پر ہو، سرمایہ معلوم ہو اور معاہدہ جائز کاروبار کے لیے ہو۔ یہ عقد فقہِ حنفی میں جائز العقود میں سے ہے، لازم نہیں، یعنی ہر شریک اصولی طور پر شرکت ختم کرنے کا حق رکھتا ہے بشرطیکہ دوسرے کو اطلاع دے اور تصفیہ انصاف سے ہو۔

شرکتِ عنان کی شرائط

حنفی فقہ کے مطابق عنان کی نمایاں شرائط درج ذیل ہیں۔ سرمایہ نقدی صورت میں ہو، یعنی دراہم و دنانیر یا رائج الوقت کرنسی؛ سامان یعنی عروض کو سرمایہ بنانے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں اور مخلوط سرمایہ بنانے سے پہلے سامان کی قدر لگانے کی صورتیں کتب میں بیان ہیں۔ سرمایہ ہر شریک کا معلوم اور عقد کے وقت موجود ہو؛ معدوم یا خالی قرضے کی رقم سرمایہ نہیں بن سکتی۔ نفع کی تقسیم فی صد یا جزوِ شائع کی صورت میں طے ہو، مثلاً نصف یا تہائی؛ کسی شریک کے لیے مقررہ رقم، مثلاً ماہانہ دس ہزار منافع، شرط رکھنا درست نہیں کیونکہ اس سے شرکت کا مفہوم ختم ہو جاتا ہے۔ نقصان ہمیشہ سرمائے کے تناسب سے برداشت کیا جائے گا، اس میں معاہدے سے خلاف شرط نہیں لگ سکتی، یہ اصول

فقہاء کے ہاں متفق علیہ کے قریب ہے۔ نفع کا تناسب سرمائے کے تناسب سے مختلف رکھا جا سکتا ہے، خصوصاً جب کوئی شریک زیادہ کام کرے یا ذمہ داری لے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک زائد نفع کی بنیاد کام یا ضمان بن سکتی ہے۔ ہر شریک تجارت کی عام عرفی حدود میں تصرف کا مجاز ہو گا اور دوسرے کے مال میں اس کا ہاتھ امانت کا ہے۔

اہم احکام

احکام میں سب سے اہم یہ ہے کہ عنان میں کوئی شریک دوسرے کے دیے گئے کفیل نہیں؛ تیسرے فریق کا مطالبہ اصولاً اسی شریک سے ہو گا جس سے اس نے معاملہ کیا، اگرچہ خریدا ہوا مال شرکت کا ہو گا۔ ہر شریک کا خریدا ہوا مال، اگر وہ شرکت کے لیے ہو، شرکت کا مال بن جاتا ہے اور اس کے نفع و نقصان میں طے شدہ اصول لاگو ہوتے ہیں۔ کوئی شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر شرکت کے مال سے قرض نہیں دے سکتا، نہ مال مضاربت پر آگے دے سکتا ہے اور نہ اسے کسی اور شرکت میں ملا سکتا ہے، کیونکہ اس کا اختیار وکالت کی حدود تک ہے۔ امانت میں خیانت یا حدود سے تجاوز کی صورت میں شریک ضامن ہو جاتا ہے۔ شرکت ختم ہونے کی صورتوں میں کسی شریک کی وفات، جنون، یا باہمی رضامندی سے فسخ شامل ہیں؛ وفات کی صورت میں اس کا حصہ ورثاء کو منتقل ہوتا ہے اور چاہیں تو وہ نئے معاہدے سے شرکت جاری رکھ سکتے ہیں۔ کاروبار کے آخر میں پہلے قرضے ادا ہوں گے، پھر سرمایہ واپس ہو گا اور نفع طے شدہ تناسب سے تقسیم ہو گا۔

جدول 2: شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ کا فرق

پہلو	شرکتِ عنان	شرکتِ مفاوضہ
سرمایہ	کم زیادہ ہو سکتا ہے	اصولاً برابری کی شرط بحث میں آتی ہے
حیثیت	شریک صرف وکیل	شریک وکیل بھی اور کفیل بھی
نفع کا تناسب	سرمائے سے مختلف بھی ممکن	برابری کی طرف میلان
ذمہ داری	اپنے کیے گئے معاملے تک محدود	دوسرے شریک کے معاملات کی بھی کفالت

شرائط سخت ہونے سے کم رائج	سب سے عام اور عملی	رواج

عصر حاضر میں اہمیت

جدید کاروباری دنیا میں شراکتی فرم، محدود شراکت اور بعض [illegible] سے چھوٹی کمپنیوں کی ساخت میں اسی عنان کے اصولوں کی جھلک ملتی ہے۔ اسلامی مالیاتی ادارے بھی شراکتی سرمایہ کاری کے لیے شرکت و مضاربت کے ماڈلز استعمال کرتے ہیں، جن کی فقہی بنیادیں یہی مباحث ہیں۔ چھوٹے تاجروں کے لیے عنان کی تعلیم یہ سبق دیتی ہے کہ شراکت سے پہلے سرمایہ، نفع، نقصان، تصرف کے اختیارات اور اخراج کا طریقہ تحریر میں واضح کر لیا جائے، کیونکہ زیادہ تر شراکتی تنازعات اسی غفلت سے پیدا ہوتے ہیں کہ شرائط زبانی اور مبہم رہتی ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شرکتِ عنان دو یا زیادہ افراد کے مال ملا کر تجارت کرنے کا وہ عقد ہے جس میں ہر شریک دوسرے کا وکیل اور امین ہوتا ہے، کفیل نہیں۔ اس کی صحت کے لیے سرمایہ کا نقد و معلوم ہونا، نفع کا جزوِ شائع کی صورت میں طے ہونا اور نقصان کا سرمائے کے تناسب سے ہونا بنیادی شرائط ہیں، جبکہ نفع کے تناسب میں کام و ذمہ داری کی بنیاد پر فرق رکھا جا سکتا ہے۔ یہ شرکت اسلامی معیشت کے تعاونی مزاج کی عملی صورت ہے جو چھوٹے سرمایوں کو ملا کر بڑے کاروبار کی راہ کھلتی ہے اور ذمہ داری کو محدود و منصفانہ رکھتی ہے۔

سوال نمبر 3: عقدِ استصناع: تعریف، مشروعیت، شرائط اور حکم (20 نمبر)

سوال نمبر 3: استصناع کی تعریف، مشروعیت، شرائط اور اس کا حکم تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

انسانی ضروریات کی بہت سی چیز ایسی ہیں جو بازار میں بنی بنائی نہیں ملتیں بلکہ انہیں بنوانا پڑتا ہے: حسبِ پسند فرنیچر، سلے ہوئے کپڑے، تیار کردہ مشینری، حتیٰ کہ پورے بحری جہاز اور عمارتیں۔ یہ ضرورت ایک خاص عقد کو جنم دیتی ہے جسے فقہ میں استصناع کہتے ہیں۔ اس عقد کی خصوصیت یہ ہے کہ خریدی جانے والی چیز عقد کے وقت موجود ہی نہیں ہوتی بلکہ کاریگر اسے خام مال سے تیار کرتا ہے۔ اس جواب میں استصناع کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کی مشروعیت کے دلائل اور فقہی بحث، اس کی صحت کی شرائط، اور اس کے حکم یعنی لازم ہونے یا نہ ہونے کی بحث بیان کی جائے گی، اور آخر میں بیع و سلم سے اس کا فرق اور جدید استعمالات واضح کیے جائیں گے۔

استصناع کی تعریف

استصناع بابِ استفعال سے ہے جس کے لغوی معنی کسی سے کوئی چیز بنوانے کے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں استصناع یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر یا صنعت کار سے معینہ قیمت کے بدلے کوئی چیز مخصوص اوصاف کے ساتھ تیار کرنے کا معاہدہ کرے، جہاں مواد بھی اصولاً بنانے والے ہی کی طرف سے ہو۔ اس میں بنانے والے کو صانع اور بنوانے والے کو مستصنع کہا جاتا ہے، اور تیار کی جانے والی چیز کو مصنوع کہتے ہیں۔ یہ عقد بیع سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ بیع میں مبیع عام طور پر موجود و معین ہوتا ہے جبکہ یہاں مبیع ذمے میں موصوف ہوتا ہے اور بعد میں تیار ہو کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اجارے سے بھی مختلف ہے کیونکہ اجارے میں مواد گاہک کا ہوتا ہے اور کاریگر صرف محنت بیچتا ہے، جبکہ استصناع میں تیار شدہ چیز کی ملکیت منتقل ہوتی ہے اور مواد بھی صانع کا ہوتا ہے۔ اگر مواد بنوانے والے کا ہو تو معاملہ استصناع نہیں بلکہ عمل پر اجارہ ہو گا؛ یہ باریک فرق عملی تنازعات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ درزی سے اپنے کپڑے کا سوٹ سلوانا اجارہ ہے، جبکہ درزی کے اپنے کپڑے سے سوٹ بنوانے کا آرڈر استصناع ہے۔

مشروعیت

امام ابو حنیفہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک استصناع قیاس کے لحاظ سے محلِ اشکال ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں معدوم چیز کی بیع پائی جاتی ہے، لیکن یہ استحساناً جائز ہے۔ استحسان کی بنیاد عوام کا ہمیشہ سے چلا آنے والا تعامل ہے: ہر دور میں لوگ جوتے، برتن، ہتھیار اور فرنیچر بنواتے رہے ہیں اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، اس لیے اسے اجماعِ عملی اور ضرورتِ

عامہ کی بنیاد پر جائز قرار دیا گیا۔ تاریخی طور پر بھی انبیاء و صحابہ کے ادوار میں منبر اور دیگر اشیاء کے بنوائے جانے کے واقعات اس باب میں پیش کیے جاتے ہیں، اگرچہ فنّی بحث کا اصل مدار فقہاء کے نزدیک یہی استحسان و تعامل ہے۔ امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کے ہاں مستقل استصناع کی صورت کو سلم کے اصولوں پر پرکھا جاتا ہے، یعنی ان کے نزدیک اس قسم کے معاملے کی درستگی کے لیے سلم کی شرائط، خصوصاً ثمن کی فوری ادائیگی، پوری کرنا ضروری ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے فقہی اداروں اور اسلامی مالیاتی معیار ساز مجالس نے استصناع کو ایک مستقل جائز عقد کے طور پر تسلیم کیا ہے اور اس کے ضوابط طے کیے ہیں، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عملی ضرورت نے اس عقد کو فقہ کا مستقل باب بنا دیا ہے۔

استصناع کی شرائط

اس عقد کی صحت کے لیے نمایاں شرائط یہ ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ مصنوع کی جنس، نوع، مقدار اور اوصاف پوری وضاحت سے بیان ہوں، مثلاً لکڑی کی قسم، ناپ اور ڈیزائن، تاکہ بعد میں جہالت کی بنا پر تنازع نہ ہو؛ اوصاف جتنے واضح ہوں عقد اتنا ہی محفوظ ہو گا۔ دوسری شرط یہ کہ ثمن معلوم و متعین ہو، البتہ اس کی فوری ادائیگی شرط نہیں؛ قیمت قسطوں میں یا تیاری کے مراحل کے ساتھ بھی دی جا سکتی ہے، یہی وہ نکتہ ہے جو استصناع کو سلم سے الگ کرتا ہے۔ تیسری شرط یہ کہ مصنوع ایسی چیز ہو جس کے بنوانے کا معاشرے میں رواج ہو، یعنی صنعت و حرفت کے دائرے کی چیز ہو؛ فقہائے کرام کی بحث کا اطلاق انہی اشیاء پر ہوتا ہے جن میں تعامل پایا جاتا ہے۔ چوتھی بات مدت کے بارے میں ہے: مشہور قول کے مطابق استصناع میں میعاد کی تعیین فی نفسہ شرط نہیں، البتہ اگر اتنی مدت مقرر کر دی جائے جو تاخیر کی نوعیت رکھے تو بعض فقہاء کے نزدیک معاملہ سلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اصول لاگو ہوتے ہیں، اس لیے معاہدے میں مدت کا ذکر کرتے وقت فقہی رہنمائی مفید رہتی ہے۔ پانچویں شرط یہ کہ مواد صانع کی طرف سے ہو، ورنہ عقد کی نوعیت بدل جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

جدول 3: استصناع، سلم اور اجارے کا فرق

پہلو	استصناع	سلم	اجارہ (عمل پر)

کاریگر کی محنت ومہارت	ذمے میں موصوف چیز	تیار کی جانے والی موصوف چیز	موضوع
گاہک کا	فروخت کنندہ کا(بعد میں فراہمی)	صانع کا	مواد
اجرت عمل کے مطابق طے ہوتی ہے	مجلس میں فوری ادائیگی شرط	فوری شرط نہیں؛ قسطیں ممکن	ثمن کی ادائیگی
محض عمل کی ذمہ داری	فراہمی کی ذمہ داری	صانع خود تیار کرے یا کروائے	تیاری کی ذمہ داری

استصناع کا حکم

عقد کے لازم یا غیر لازم ہونے میں فقہاء کی مشہور بحث ہے۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ایک قول کے مطابق تیار ہونے سے پہلے یہ عقد فریقین کے حق میں غیر لازم کی نوعیت رکھتا ہے، جبکہ امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک جب صانع چیز بنا کر پیش کر دے اور وہ طے شدہ اوصاف کے مطابق ہو تو مستصنع پر اس کا خریدنا لازم ہو جاتا ہے۔ متاخرین حنفیہ کے ہاں عملی مفتی بہ موقف اسی طرف گیا ہے کہ معاہدہ فریقین کو پابند کرے، کیونکہ جدید تجارت میں عدم لزوم سے بڑے نقصانات اور تنازعات پیدا ہوتے ہیں؛ اسی بنیاد پر جدید فقہی مجالس کے معیارات میں استصناع کو لازم عقد قرار دیا گیا ہے۔ تیار شدہ چیز اگر اوصاف کے خلاف نکلے تو مستصنع کو قبول نہ کرنے کا حق حاصل ہے، اسے خیارِ وصف و رؤیت کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔ صانع کی طرف سے مقررہ مدت میں تاخیر ہو تو معاہدے میں طے شدہ جرمانے یا معاوضے کی شرائط جدید معیارات میں اصولوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، البتہ شرعی حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ صانع کی وفات کی صورت میں عقد کی صورت بھی بدل جاتی ہے کیونکہ ذمے میں موصوف چیز کا معاملہ ورثاء سے تصفیے کی طرف جاتا ہے؛ ہر صورت کے جزئی احکام کتبِ فقہ میں مفصل ہیں۔

جدید استعمالات

آج استصناع کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے: تعمیراتی منصوبوں، بجلی گھروں، جہاز سازی، ہوائی جہازوں کی تیاری اور بڑے صنعتی آرڈرز میں یہی ساخت استعمال ہوتی ہے۔ اسلامی بینک تعمیراتی و صنعتی منصوبوں کی فنانسنگ کے لیے استصناع اور متوازی استصناع کا ڈھانچہ استعمال کرتے ہیں جس میں بینک ایک طرف گاہک سے اور دوسری طرف ٹھیکیدار سے معاہدہ کرتا ہے۔ اس بڑھتے استعمال کی وجہ سے طالب علم کے لیے اس عقد کے اصول سمجھنا محض درسی ضرورت نہیں بلکہ عملی زندگی کی ضرورت بھی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ استصناع مخصوص اوصاف والی چیز بنوانے کا عقد ہے جو قیاس کی مشکل کے باوجود استحساناً اور تعامل عام کی بنیاد پر جائز ہے۔ اس کی شرطیں اوصاف کی وضاحت، ثمن کی تعیین اور مصنوع کا اہلِ حرفت کے دائرے میں ہونا ہیں، جبکہ ثمن کی فوری ادائیگی اس میں شرط نہیں۔ اس کا حکم مفلس کے قول کے مطابق فریقین کے لیے پابندی کا ہے اور خلافِ وصف چیز کو رد کیا جا سکتا ہے۔ یہ عقد فقہ کی اس صلاحیت کی دلیل ہے کہ وہ عوامی ضرورت کو اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے منظم جواب دیتا ہے۔

سوال نمبر 4: دراہم و دینار میں کمی بیشی، غالب دھات کا اعتبار اور رائج کرنسی کے احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 4: دراہم اور دینار میں کمی بیشی سے متعلقہ مسائل، اُن میں غالب دھات کا اعتبار، اور خرید و فروخت میں رائج کرنسی کے از خود متعین ہونے کے احکامات قلمبند کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

فقہ المالیات کے قدیم ابواب میں درہم و دینار کے مسائل اس وقت کی کرنسی کی سادہ مگر دقیق صورت کو واضح کرتے ہیں۔ دینار سونے کا سکہ تھا اور درہم چاندی کا، مگر عملی طور پر سکے ہمیشہ خالص دھات کے نہیں ہوتے تھے؛ ان میں ملاوٹ بھی ہوتی اور وزن و قدر میں علاقے و دور کے اعتبار سے فرق بھی پڑتا تھا۔ یہی صورت حال کمی بیشی کے مسائل کو

جنم دیتی ہے، اور اس سے جڑا ہوا اصول غالب دھات کے اعتبار کا ہے۔ سوال کا تیسرا حصہ رائج کرنسی سے متعلق ہے کہ جب عقد میں کرنسی کی صراحت نہ ہو تو کون سی کرنسی مراد ہوگی۔ یہ تینوں مباحث آج کے کاغذی و ڈیجیٹل کرنسی نظاموں کو فقہی نظر سے سمجھنے کی بنیاد بھی ہیں، اس لیے ان کا مطالعہ تاریخی بھی ہے اور اصولی بھی۔ بحث خالص علمی ہے؛ موجودہ مالی نظاموں پر اس کے اطلاق کا کام اہلِ علم کا ہے۔

درہم و دینار اور ان میں کمی بیشی کے مسائل

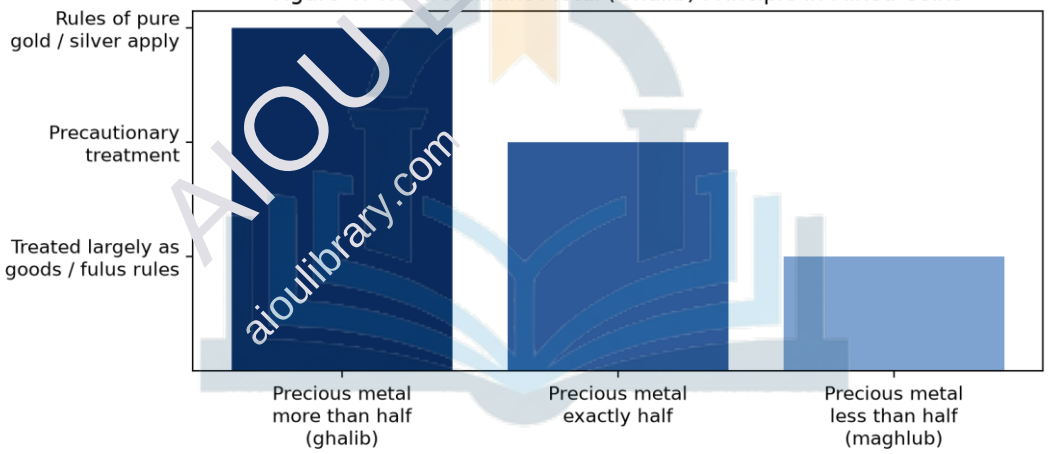
شرعی پیمانے میں ایک دینار ایک مثقال سونے کے وزن کے برابر شمار ہوتا ہے اور سات دینار کا وزن دس درہم کے برابر رکھا گیا ہے، یعنی درہم مثقال کے سات دسویں حصے کے برابر ہے؛ یہی نسبت زکاۃ کے نصابوں میں بھی بنیاد بنتی ہے۔ عملی مسائل چند صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض لیا ہو اور درہم واپس کرتے وقت کس عیار اور کس وزن کا درہم دیا جائے گا؛ اصول یہ ہے کہ قرض اسی جنس اور اسی صف کے ساتھ لوٹایا جاتا ہے جس میں لیا تھا، کیونکہ قرض کی واپسی مثل سے ہوتی ہے۔ دوسرا مسئلہ بیع صرف کا ہے: سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری اور دست بدست قبضہ شرط ہے اور کمی بیشی ربا کی صورت اختیار کر لیتی ہے؛ اسی لیے دو مختلف سکوں کے تبادلے میں ان کی دھاتی قیمت اور بازاری قدر دونوں کو دیکھا جاتا ہے۔ تیسرا مسئلہ ناقص و کھوٹے سکوں کا ہے: اگر سکہ بازار میں چلتا ہو تو اس کا حکم رواج کے مطابق ہوگا، اور اگر حکومت یا بازار اسے مسترد کر دے تو اس کی حیثیت دھات یا سامان کی رہ جاتی ہے۔ چوتھا مسئلہ یہ کہ واجب الادا رقم سکوں میں طے تھی اور ادائیگی کے وقت وہ سکہ مروج نہ رہا تو ادائیگی کیسے ہوگی؛ اس کا تعلق اسی بحث سے ہے جو آگے کرنسی کے کساد میں آئے گی۔ یہ تمام مسائل اس اصول پر قائم ہیں کہ شرعی لین دین میں دھاندلی اور جہالت کے بجائے مکمل وضاحت مطلوب ہے۔

غالب دھات کا اعتبار

جب سکہ خالص دھات کا نہ ہو بلکہ دو دھاتوں کا مرکب ہو، مثلاً چاندی میں تانبے کی آمیزش ہو، تو فقہاء یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی دھات غالب ہے۔ حنفی فقہ کا معروف اصول یہ ہے کہ اگر قیمتی دھات، یعنی سونا یا چاندی، سکے میں غالب ہو یعنی نصف سے زائد ہو، تو اس سکے پر خالص دھات کے احکام لاگو ہوں گے؛ اسے قرض میں اسی طرح لیا دیا جائے گا،

بیع صرف میں احتیاطی شرائط لاگو ہوں گی اور زکاۃ کے نصاب میں بھی اسی حیثیت سے شمار ہو گا۔ اگر قیمتی دھات مغلوب ہو، یعنی نصف سے کم ہو، تو سکے کا حکم عام سامان یا چلتے چھوٹے سکوں یعنی فلوس جیسا ہو جاتا ہے اور اس پر خالص کے احکام نہیں چلتے۔ اگر دونوں بالکل نصف نصف ہوں تو احتیاط کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے اور قیمتی دھات کے احکام کی طرف میلان خاص معاملات، خصوصاً ربا کے شبہ والے ابواب، میں رکھا جاتا ہے۔ اس اصول کو فقہ کی زبان میں غالب کے اعتبار سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی آمیزش میں حکم اکثریت والی جنس کا چلتا ہے۔ اس اصول کی حکمت یہ ہے کہ لین دین کرنے والوں کو ہر سکے کی تجزیاتی جانچ کی مشقت سے بچایا جائے اور ساتھ ہی ربا کی راہ بھی بند رہے۔ آج کے تناظر میں یہی اصول ملا جلا سرمایہ اور مصنوعات کے فقہی تجزیے میں ایک بنیادی دھانچہ فراہم کرتا ہے۔

Figure 4: The Dominant-Metal (Ghalib) Principle in Mixed Coins



خاکہ 4: مخلوط سکوں میں غالب دھات کے اعتبار کا اصول

خرید و فروخت میں رائج کرنسی کا از خود متعین ہونا

عقدِ بیع میں جب ثمن کا ذکر مطلقاً کرنسی کے نام سے ہو اور اس کی قسم یا عیار کی صراحت نہ ہو، تو فقہاء کا اصول ہے کہ مراد اسی جگہ اور اسی زمانے کی رائج کرنسی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرف ہی مطلق الفاظ کی تعیین کرتا ہے؛ لوگ جب قیمت کہتے ہیں تو ان کے ذہن میں وہی سکہ ہوتا ہے جو ان کے بازار میں عام چلتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شہر میں ایک ہی قسم کے درہم رائج ہوں تو وہی متعین سمجھے جائیں گے، اور اگر دو برابر رائج قسمیں ہوں تو عقد کی صحت کے لیے تعیین ضروری ہو جائے گی، ورنہ جہالت کی بنا پر سودا فاسد

ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی سے متصل مسئلہ کرنسی کی قدر میں تبدیلی کا ہے: اگر قرض یا ثمن کے طے ہونے کے بعد سکہ کساد ہو جائے، یعنی بازار میں چلنا بند ہو جائے، یا اس کی قدر میں غیر معمولی کمی بیشی ہو جائے تو ادائیگی کس بنیاد پر ہو گی۔ اس باب میں فقہاء کے معروف اقوال ہیں: ایک رائے مثل یعنی اسی سکے کی واپسی پر زور دیتی ہے، جبکہ امام ابو یوسف سے منقول قول، جسے متاخرین نے بہت سے حالات میں مفتی بہ قرار دیا ہے، قیمت کے اعتبار کی طرف جاتا ہے، یعنی ادائیگی دنِ عقد یا دنِ کساد کی قدر کے مطابق اس زمانے کی رائج کرنسی میں کی جائے۔ یہ بحث آج مہنگائی اور کرنسی کی قدر میں کمی کے دور میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے اور اس کی تطبیق میں اہلِ علم کی اجتماعی رہنمائی ہی مناسب راستہ ہے۔

جدول 4: مخلوط سکوں کے احکام کا خلاصہ

صورت	حکم کی بنیاد	نتیجہ
قیمتی دھات غالب (نصف سے زائد)	خالص دھات کے احکام	صرف کی شرائط و نصاب میں شمار
قیمتی دھات مغلوب (نصف سے کم)	سامان / فلوس کے احکام	عام لین دین کے اصول لاگو
دونوں نصف نصف	احتیاط	ربا کے ابواب میں خالص جیسا برتاؤ
سکہ کساد ہو جائے	قدر و مثل میں فقہی اقوال	رائج کرنسی میں ادائیگی کی بحث

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ درہم و دینار کے مسائل تین اصولوں کے گرد گھومتے ہیں: قرض و صرف میں اصل جنس کی حفاظت اور برابری کا لحاظ، مخلوط سکوں میں غالب دھات کے اعتبار سے حکم کا تعین، اور مطلق ذکر کی صورت میں عرفی رائج کرنسی کا از خود مراد ہونا۔ یہ اصول دکھاتے ہیں کہ فقہ نے کرنسی کو محض سرکاری نشان نہیں سمجھا بلکہ اس کی قدر، عیار

اور رواج تینوں کو معاملے کا حصہ بنایا۔ زمانہ بدلنے سے سکے کاغذ اور پھر ڈیجیٹل صورت میں آ گئے، مگر وضاحت، غبن سے بچاؤ اور قدر کے تحفظ کے یہی اصول آج بھی ہر فقہی تجزیے کی بنیاد ہیں۔

سوال نمبر 5: اجیر کی اقسام اور ان سے متعلقہ مسائل (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اجیر کی اقسام اور ان سے متعلقہ مسائل پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

انسانی محنت کی خرید و فروخت یعنی اجارہ روزمرہ معیشت کی سب سے وسیع صورت ہے، کیونکہ ہر ملازمت، مزدوری اور پیشہ ورانہ خدمت اسی عقد کے تحت آتی ہے۔ جو شخص اپنی محنت اجرت کے بدلے پیش کرتا ہے اسے اجیر کہتے ہیں۔ فقہاء نے اجیر کی دو بڑی اقسام بیان کر کے ان کے احکام الگ الگ مرتب کیے ہیں، کیونکہ ایک مستقل ملازم اور ایک موقع بہ موقع کام کرنے والے کاریگر کے مسائل ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس جواب میں پہلے اجارے کا مختصر مفہوم، پھر اجیر خاص اور اجیر مشترک کی تعریفیں اور ان کا فرق بیان ہو گا، اس کے بعد اجرت کے استحقاق، ضمان، تعطیل و عذر اور عقد کے خاتمے جیسے متعلقہ مسائل کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں جدید ملازمت سے اس کا ربط واضح کیا جائے گا۔

اجیر خاص

اجیر خاص وہ ہے جو معین مدت کے لیے کسی ایک آجر کے یہاں اس طرح ملازم ہو کہ اس مدت میں اس کا وقت اسی کے لیے مخصوص ہو، مثلاً ماہانہ ملازم، گھریلو خادم یا کسی ادارے کا تنخواہ دار کارندہ۔ اس کا دوسرا نام اجیر وحد بھی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اجرت کا استحقاق بنیادی طور پر وقت کی بنیاد پر ہوتا ہے: جب اجیر مقررہ مدت میں اپنے آپ کو آجر کے سپرد کر دے اور حاضر رہے تو اجرت کا حقدار ہو جاتا ہے اگرچہ اس سے ہر لمحہ کام نہ لیا گیا ہو، کیونکہ آجر نے اس کے وقت کو حاصل کر لیا ہے۔

اجیر خاص مدت کے اندر دوسرے کے لیے کام نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کا وقت پہلے آجر کی ملک میں داخل ہو چکا ہے؛ اگر وہ بغیر اجازت دوسرے کا کام کرے تو اس کی اجرت و ذمہ داری کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں آجر کا مال امانت ہے: تلف ہونے کی صورت میں اس وقت تک ضامن نہیں جب تک تعدی، یعنی حد سے تجاوز، یا تقصیر، یعنی لاپرواہی، ثابت نہ ہو۔ بیماری یا جائز عذر کی صورت میں غیر حاضری کے دنوں کی اجرت کے بارے میں فقہاء نے مدت و عرف کے لحاظ سے تفصیلات بیان کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مختصر عذر کو عرفاً برداشت کیا جاتا ہے اور طویل عذر معاہدے کے جائزے کا موقع بنتا ہے۔

اجیر مشترک

اجیر مشترک وہ کاریگر یا پیشہ ور ہے جو کسی ایک آجر کے لیے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ عوام کے کام کرتا ہے، جیسے درزی، دھوبی، بڑھئی، پلمبر یا آج کے فری لانسر ماہرین۔ اسے مشترک اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی خدمات میں سب لوگ مشترک حق رکھتے ہیں۔ اس میں اجرت کا محور وقت نہیں بلکہ عمل ہے: عام اصول کے مطابق اس کا اجرت پر استحقاق کام کی تکمیل اور اس کی سپردگی سے جڑا ہوتا ہے؛ اگر کام مکمل ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اجرت کے استحقاق میں فقہاء نے گم شدہ چیز کی نوعیت کے مطابق تفصیل کی ہے۔ ضمان کے باب میں یہ سب سے اہم فرق ہے: حنفیہ کے ہاں مشہور مفصل صورت یہ ہے کہ اجیر مشترک کے پاس گاہک کا مال اگر اس کے فعل یا حفاظت کی کوتاہی سے تلف ہو تو ضمان کی بحث سامنے آتی ہے اور صاحبین کا قول، جو عوامی مصلحت یعنی لوگوں کے اموال کی حفاظت کے پیشِ نظر مفتی بہ قرار پایا، ضمان کی طرف جاتا ہے، البتہ وہ صورت جس میں تلف کسی ناگہانی آفت سے ہو اور کاریگر کا کوئی دخل نہ ہو، محلِ تفصیل ہے۔ اجیر مشترک اپنے کام میں مددگار رکھ سکتا ہے اور اس کا عمل اس کے نمائندوں سے بھی انجام پا سکتا ہے، جبکہ جہاں مہارت شخصی ہو وہاں گاہک کی رضامندی اہمیت رکھتی ہے۔

جدول 5: اجیر خاص اور اجیر مشترک کا تقابل

پہلو	اجیر خاص	اجیر مشترک
تعریف	ایک آجر کے لیے مدت بھر مخصوص ملازم	عوام کے لیے کام کرنے والا کاریگر

عمل کی تکمیل وسپردگی	وقت وحاضری	اجرت کا محور
اصولاً جائز ہے	مدت میں جائز نہیں	دوسرے کا کام
ضمان میں مفصل فقہی اقوال؛ مفتی بہ میلان ضمان کی طرف	تعدی وتقصیر کے بغیر ضامن نہیں	ضمان
درزی، دھوبی، کاریگر، فری لانسر	ملازم، خادم، تنخواہ دار کارندہ	مثالیں

متعلقہ عام مسائل

چند مسائل دونوں اقسام سے متعلق ہیں۔ اجرت کا معلوم و متعین ہونا صحتِ اجارہ کی شرط ہے، کیونکہ اجرت میں جہالت تنازع پیدا کرتی ہے؛ اسی لیے جدید معاہدوں میں تنخواہ یا مزدوری کا واضح لکھا ہونا فقہی اصول کے عین مطابق ہے۔ اجیر کو اجرت بروقت دینا آجر کی ذمہ داری ہے اور اس میں تاخیر کو فقہاء نے پسند نہیں کیا، کیونکہ اجیر کی روزی اسی سے بندھی ہوتی ہے۔ آجر اجیر سے طے شدہ کام کے علاوہ اس کی استطاعت سے باہر کام نہیں لے سکتا اور کام کی شرائط میں یک طرفہ تبدیلی بھی باہمی رضامندی کے بغیر درست نہیں۔ اجارے کا عقد فریقین کی وفات، معذوری یا متعین مدت کے ختم ہونے جیسی صورتوں میں اپنے انجام کو پہنچتا ہے اور واجب الادا اجرت کا حساب مدت یا عمل کے اعتبار سے تصفیہ پاتا ہے۔ مزدور کی عزت وحفاظت بھی اس باب کا اخلاقی حصہ ہے: اجیر امین اور محترم ہے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک اور اس کی محنت کا پورا معاوضہ ہی وہ فضا بناتا ہے جس میں اجارے کے فقہی احکام اپنی اصل روح کے ساتھ نافذ ہوتے ہیں۔

جدید ملازمت کے نظام سے ربط

آج کا ملازم بڑی حد تک اجیر خاص اور مستقل کاریگر و ٹھیکیدار اجیر مشترک کے جدید روپ ہیں۔ قانونِ محنت میں لکھی جانے والی شرائط، کم از کم اجرت، اوور ٹائم اور چھٹیوں کے اصول اسی ضرورت کی توسیع ہیں کہ اجرت و عمل میں کوئی جہالت نہ رہے۔ فری لانس معیشت نے اجیر مشترک کے مسائل کو نئی شکل میں زندہ کر دیا ہے، مثلاً آن لائن پلیٹ

فارم پر کام کی سپرد گی، کوالٹی کی ذمہ داری اور ادائیگی کا تحفظ، اور ان سب کا فقہی تجزیہ انہی قدیم ضوابط یعنی اجرت کی وضاحت، عمل کی سپرد گی اور ضمان کے اصولوں کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اجیر کی دو اقسام ہیں: اجیر خاص، جس کی اجرت وقت و حاضری سے اور جس کا وقت ایک آجر کے لیے مخصوص ہوتا ہے، اور اجیر مشترک، جس کی اجرت عمل کی تکمیل سے ہوتی ہے اور جو سب کے لیے کام کرتا ہے۔ دونوں کے ضمان، دوسرے کے کام اور اجرت کے استحقاق کے احکام اسی فرق پر بنے ہیں۔ ان احکام کا مقصد دوہرا ہے: آجر کو طے شدہ خدمت کا تحفظ ملے اور اجیر کو اس کی محنت کا پورا، واضح اور بروقت معاوضہ، کیونکہ مزدور کا حق ہی معاشی عدل کی سب سے روزمرہ آزمائش ہے۔